تحریر: محمد یعقوب اختر

قسط ۵

ترتیب: شیخ عبدالمجید احرار

احرار اور تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۵۳ء

کراچی ریلوے اسٹیشن سے باہر نکلتے ہی مستری عبدالرشید لدھیانوی سے ملاقات ہو گئی۔ جو پنجاب سے رضا کاروں کی کراچی آمد کے منتظر تھے۔ مل کر خوش بھی ہوئے اور تحریک کو آگے بڑھانے کی امنگ بھی بڑھی۔ ہمیں بھی رہائش کی پرابلم سے دوچار نہ ہونا پڑا۔

مستری صاحب گوردھن داس مارکیٹ (اب "لطیف مارکیٹ") کے ایک فلیٹ میں ٹھہرے ہوئے تھے جو چودھری محمد حسن صاحب نے اپنی کاروباری ضرورت کے تحت لیا ہوا تھا۔ چودھری صاحب لائل پور کے کپڑا کے ایک مشہور تاجر اور لدھیانہ کے احراری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ہم بھی ان کے ساتھ مذکورہ فلیٹ میں قیام پذیر ہوگئے۔ دوسرے دن میاں محمد عالم بٹالوی سے بمبے بازار میں ملاقات ہو گئی۔ وہ بھی کراچی میں تحریک کی خاموشی پر نوحہ کناں تھے۔ اور کچھ کرنے کی فکر میں تھے۔ باہم مشاورت سے طے ہوا کہ آرام باغ کی مسجد کو مرکز بنا کر تحریک کو نئے سرے سے متحرک کرنیکی سعی وجہد کی جائے۔ میاں محمد عالم اور محمد شریف جالندھری کو یہ کام سونپا گیا کہ آرام باغ مسجد کمیٹی یا ارد گرد کے ماحول میں کوئی نرم گوشہ تلاش کر کے فضا کو سازگار بنایا جائے۔ ان کی کوشش کے بعد دو چار ایسے آدمی مل گئے جو اس بات کے شاکی تھے کہ مرکزی رہنماؤں کی گرفتاری کے بعد تحریک کو منظم اور لیڈ کرنے کا کوئی بندوبست نہ ہونے پر خاموشی چھا گئی ہے۔ ورنہ نوجوانوں میں قربانی کا جذبہ موجود ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے خطیب مسجد سے نماز جمعہ سے ذرا پہلے کا وقت لے لیا بس اللہ تعالی نے سب کام آسان کر دیئے۔ ہم ڈر بھی رہے تھے۔ کہ مخبری ہونے پر کہیں ایک ساتھ ہی گرفتار نہ ہو جائیں۔ اسکا حل یہ نکیلا کہ مسجد میں سب علیحدہ علیحدہ داخل ہوئے۔ میں اور محمد شریف جالندھری خطیب صاحب سے ملے۔ پروگرام طے کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنی تقریر ختم نبوت پر ہی کروں گا۔ ماحول ساز گار ہو چکا ہو گا۔ اس کے بعد آپ بات آگے بڑھالیں اور یہ سب اچانک ہو گا۔ چنانچہ حسب پروگرام خطیب صاحب نے بڑی پرجوش تقریر کی۔ لوہا گرم تھا مجھے زیادہ کچھ نہ کہنا پڑا۔ حاضرین، نماز کے بعد جلوس کے لئے پرجوش نعرے بلند کرنے لگے۔ اللہ کے فضل و کرم سے نماز کے بعد ہم جلوس نکالنے میں کامیاب ہوگئے۔ جلوس انتہائی پرجوش اور منظم تھا۔ یوں کراچی میں دوبارہ تحریک تحفظ ختم نبوت کا آغاز ہو گیا۔ مستری رشید احمد لدھیانوی نے دوسرے دن ایک سائیکلوسٹائل مشین کہیں سے لاکر ہمیں دیدی۔ جس سے کام آسان ہو گیا۔ اس سے پیشتر کئی روز سے ایک ڈپلیکیٹر کے ذریعہ تھوڑی تعداد میں پمفلٹ چھاپ کر

میں اور محمد عالم منہاس صدر، بندر روڈ، بولٹن مارکیٹ، پاکستان مارکیٹ، ٹاور وغیرہ میں تقسیم کرنے کا کامیاب تجربہ کر چکے تھے۔

جس سے سی آئی ڈی اور پولیس حرکت میں آچکی تھی۔ چنانچہ احتیاطاً ہم سائیکلوسٹائل مشین کو لے کر گوردھن داس مارکیٹ سے صرف میں اور محمد عالم منہاس سلور کالونی چلے گئے اور پھر کلری جھیل کی کچی آبادی میں ایک جھونپڑی کرایہ پر لیکر وہاں منتقل ہوگئے۔ یہ آبادی چونکہ غریب مچھیروں کی تھی جو سارا دن سمندر یا دوسرے علاقوں میں مزدوری کے لئے چلے جاتے۔ اکثر لڑکے بچے اور عورتیں بھی مزدوری پر چلے جاتے۔ جس سے ہمیں کام کرنے میں نسبتاً تحفظ اور یکسوئی میسر تھی۔ میں مضمون بناتا اور محمد عالم منہاس صاحب کتابت کرتے پھر ہم مشین کے ذریعہ چھاپ کر بنڈل بنالیتے اور شہر کے بارونق علاقوں میں جلدی جلدی تقسیم کر کے رات کو گوردھن داس مارکیٹ میں سب اکٹھے ہو کر باہم مشاورت سے اگلے دن کا پروگرام بناتے اور اپنی جھونپڑی میں چلے جاتے۔ ان دنوں سائیکلوسٹائل مشین رکھنا ہی جرم تھا چہ جائیکہ اس پر حکومت کے خلاف مواد چھاپنا یہ تو کھلی بغاوت تھی اور پولیس ایسے جرم کرنے والے کے ساتھ جو ظلم و ستم روا رکھتی تھی آج اسکا تصور بھی شاید ممکن نہ ہو یہ جان جوکھوں کا کام بہر حال ہم کر رہے تھے۔ جلوس بھی نکل رہے تھے۔ کراچی میں تحریک تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں جلوسوں کا دوبارہ اجرا اور سائیکلوسٹائل پمفلٹوں کے تسلسل نے حکومت کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا کر دیا۔ پولیس اور C.I.D حیران اور پریشان تھے کہ دن دہاڑے اس جرات و بیباکی کے ساتھ حکومت کی آنکھوں میں کون دھول جھونک رہا ہے؟ حکومت کی تمام انٹیلی جنس ایجنسیاں بمعہ پولیس اور سی آئی ڈی جگہ جگہ اس بات کا کھوج لگانے میں سرگرم عمل تھیں کہ جلوس کے لئے رضا کار کون لاتا ہے، پمفلٹ کون لکھتا ہے اور کہاں چھاپے جاتے ہیں اور کیسے تقسیم ہوتے ہیں؟ جب گھیرا ذرا تنگ ہوتا ہوا محسوس ہوا تو ہم نے بھی سکیم بدل لی۔ کراچی میں شام کو کئی اخبار چھپتے ہیں جو عموماً چھوٹے بچے فٹ پاتھ پر رکھ کر یا بھاگ دوڑ کر بیچتے ہیں۔ ہم نے ان بچوں سے کام لیا۔ ایک ایک دو دو روپے دیکر پمفلٹ تقسیم کروانے لگے۔ بچوں کو پمفلٹ دیکر ہم ادھر ادھر ہو جاتے یا باہر کی بستیوں میں تقسیم کے لئے چلے جاتے۔ اس تقسیم کار کی وجہ سے شہر کے بہت سے علاقوں میں پمفلٹ تقسیم ہو جاتے۔ اب ہمارا رابطہ پنجاب سے بھی تھا۔ جہاں سے رضا کار کراچی آ رہے تھے۔ پمفلٹ تقسیم کرنے میں وہ بھی ہاتھ بٹاتے۔ احرار کارکن بھی پنجاب سے آتے اور ہمارے ساتھ شریک کار ہوتے جن میں حکیم ذوالقرنین سیکرٹری مجلس احرار اسلام لاہور اور گوجرانوالہ کا ایک کارکن غلام نبی بھی تھا۔ حکیم ذوالقرنین جہانگیر پارک صدر میں خان عبدالقیوم جو ان دنوں مرکزی وزیر تھے کے جلسہ میں رات کے وقت ہمارے ساتھ پمفلٹ تقسیم کرتے ہوئے پولیس کے ہتھے چڑھ گئے۔ ہم نے اپنے پمفلٹ پرانے طریقہ کے مطابق اخباری بچوں ہی کے ذریعہ تقسیم کروائے تھے۔

گرفتاریوں کا طریق کار

مستری رشید احمد لدھیانوی جو ان دنوں کراچی میں تحریک کے عملی طور پر انچارج تھے نے گوجرانوالہ کے ایک احرار کارکن غلام نبی کو کرایہ وغیرہ دے کر بہاولپور سے رضاکار لانے پر مامور کیا ہوا تھا۔ ہوتا یوں تھا کہ پنجاب کے مختلف شہروں میں جن احرار کارکنوں سے ہم رابطہ رکھے ہوئے تھے ان میں اکثر کاروباری تھے ان سے مستری رشید احمد صاحب یا ہم میں سے جو بھی فون پر بات کرتا تو خالص کاروباری لہجہ ہوتا مال کب آرہا ہے، کتنا مال بھیج رہے ہو، کتنے نگ ہیں، کون سی گاڑی پر بک کرایا ہے؟ اسی لہجہ میں جواب بھی ملتا دس نگ بھیج رہے ہیں۔ فلاں گاڑی پر مال (یعنی رضاکار) آئیگا وصول کر کے مطلع کریں۔ کوڈ ورڈ بھی بتا دیا جاتا۔ کراچی آنے پر مطلوبہ گاڑی سے مال وصول کر لیا جاتا۔ لانے والے کی ڈیوٹی اسٹیشن پر ختم ہو جاتی اور دوسرا آدمی جو متعین ہوتا وصول کر لیتا اور اسٹیشن سے باہر ایک طرف لے جا کر ہدایات دی جاتیں۔ اور طریق کار ذہن نشین کرا کر اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے اور وہ ایک ایک کر کے مسجد میں نماز کے وقت پہنچ جاتے اور ایک مقررہ جگہ پر نماز ادا کرتے۔ جب امام صاحب سلام پھیرتے تو تمام رضاکار سفید رومال نکال کر سروں پر باندھ لیتے جو ہم انہیں فراہم کرتے تھے۔ اور خود ہی اپنے گلے میں ہار ڈال کر نعرہ تکبیر بلند کرتے۔ تمام نمازی بھی نعرہ بازی میں شریک ہو جاتے۔ تاج و تخت ختم نبوت زندہ باد مرزائیت مردہ باد۔ قائد قلت مردہ باد۔ مرزائی نواز حکومت مردہ باد۔ ظفر اللہ مرزائی وزیر خارجہ کو برطرف کرو کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہوئے ہجوم سڑک پر آجاتا اور سڑک پر جلوس کی شکل بن جاتی تھوڑی دور جا کر پولیس رضاکاروں کو گرفتار کر لیتی اور ہم کارکن ہجوم میں گھل مل کر اپنے اپنے طے شدہ پروگرام پر نکل جاتے۔

مولانا احتشام الحق تھانوی کا جلوس

ہم پنجاب سے آئے ہوئے کارکن کافی دنوں سے تحریک کا کام کر رہے تھے اور جیسے تیسے تحریک جاری رہی۔ یہ محض اللہ کا کرم تھا ورنہ ہم پردیسی لوگ کس قطار شمار میں تھے۔ جب بھی رات کو مشاورت کے لئے اکٹھے ہوتے تو میاں محمد عالم بٹالوی کہتے کہ اگر مولانا احتشام الحق تھانوی تحریک سے غداری نہ کرتے تو کراچی میں تحریک کا رنگ ہی اور ہوتا۔ مولانا صرف اپنی بزدلی اور تن آسانی کی وجہ سے غداری تک چلے گئے۔ اسکا ہمیں بہت قلق تھا۔ ایک دن ہم نے طے کیا کہ آئندہ جمعہ مولانا احتشام الحق تھانوی کی مسجد میں پڑھا جائے۔ اور رضاکاروں کے علاوہ ہم سب کارکن بھی اسی مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں۔ اور مولانا تھانوی کا جلوس نکال دیں۔ چنانچہ طے شدہ پروگرام کے مطابق گرفتاری دینے والے رضاکاروں کے ساتھ کراچی اور پنجاب کے کچھ طاقتور اور بہادر کارکن پہلی صف میں ممبر کے قریب بٹھا دیئے۔ ہم لوگ تیسری اور پچھلی صفوں میں مختلف

جگہوں پر بیٹھ گئے۔ مولانا احتشام الحق تھانوی نے جیسے ہی جمعہ کی نماز سے سلام پھیرا، اگلی صف میں متعین کارکنوں نے اچانک مولانا تھانوی کے گلے میں ہار ڈال کر کندھوں پر اٹھالیا اور ہم سب نے نعرۂ تکبیر اللہ اکبر بلند کر دیا اور ساتھ ہی مرزائیت مردہ باد، سر ظفر اللہ مرزائی وزیر خارجہ کو برطرف کرو کے فلک شگاف نعرے لگانے شروع کئے۔ جس سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی مولانا تھانوی کی آواز ان نعروں میں دب کر رہ گئی۔ جس سے انکے مقتدی جن کی اکثریت سرکاری افسروں کی ہوتی تھی ہکا بکا رہ گئے۔ اور تھوڑی دیر اس غلط فہمی کا شکار ہوگئے کہ شاید مولانا کی غیرت جاگ اٹھی ہو اور یہ سب کچھ انکی مرضی اور اجازت سے ہوا ہے۔ شاید مولانا کا گرفتاری دینے کا ہی پروگرام ہو۔ پنجاب کے اصرار کارکن مولانا کو پسلیوں میں گھونسے بھی رسید کرتے اور کہتے کہ چل مولوی! آگے لگ کچھ دیر یہ سلسلہ جاری رہا۔ مولانا نے گرفتار تو کیا ہونا تھا۔ پھر وہ جل دیکر حجرہ میں بھاگ گئے اور پولیس کی بھاری نفری نے پہنچ کر ہمارے رضاکاروں کو گرفتار کر کے ہجوم منتشر کر دیا۔ نیز مولانا کے حجرہ، مسجد اور رہائش گاہ کو رات گئے تک اپنے حفاظتی حصار میں لئے رکھا۔ مولانا تھانوی کراچی میں بڑے مولوی صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ اور عوام میں انکا اچھا خاصہ چرچا تھا اور حکومت کے ایوانوں میں انکا طوطی بولتا تھا۔ جس کی وجہ سے اگلے دن کے اخبارات میں اس واقعہ کی بڑی بڑی خبریں شائع ہوئیں۔ جس سے وزارت داخلہ اور پولیس کو بہت ندامت اٹھانا پڑی۔ نیز افسران بالا وزارت داخلہ نے سخت آرڈر کئے کہ جیسے بھی ہو اس پنجابی ٹولہ کو گرفتار کیا جائے۔

چنانچہ مساجد کی نگرانی سخت کر دی گئی ریلوے اسٹیشن اور ملحقہ علاقہ میں پولیس کا گشت بڑھا دیا گیا۔ میمن مسجد میں سی آئی ڈی کی نفری بڑھا دی گئی۔ نیز رات کو مسجدوں کو تالے لگا دیئے جاتے۔ یعنی ہر طرف سے گھیرا تنگ کر دیا گیا۔ جہاں دو چار پنجابی نظر آتے فوراً تفتیش کے لئے تھانے پہنچا دیئے جاتے۔ ہم نے ایک مجلس مشاورت میں طے کیا کہ اب یہاں کی مذہبی شخصیات کو میدان میں لانے کی کوشش کرنی چاہئیے اور ہماری پہلی یلغار مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب پر تھی۔ اس واقعہ کی بڑی بڑی اخباری خبریں اور پمفلٹوں کی تقسیم کی وجہ سے اگلا جمعہ آرام باغ مسجد میں حاضری کے لحاظ سے تمام ریکارڈ مات کر گیا۔ جس کی وجہ سے ہمارا جلوس سابقہ تمام جلوسوں سے بڑا تھا۔ اور جوش و خروش بھی دیدنی تھا۔ ہمیں تازہ کمک بھی مل گئی تھی۔ پنجاب سے تازہ دم رضاکار پہنچ گئے تھے۔ نعروں کی گونج میں جلوس پولیس کی ناکہ بندی توڑ کر بندر روڈ پر کارپوریشن کے دفتر کے مقابل پہنچ گیا۔ ہماری کوششیں اللہ کے فضل و کرم سے بارآور ہو رہی تھیں۔ اور بندر روڈ پر جلوس لانے کی ہماری خواہش بھی اللہ نے کامیاب کر دی۔ شرکاء جلوس نعرہ تکبیر اللہ اکبر۔ تاج و تخت ختم نبوت زندہ باد وزارت خارجہ سے سر ظفر اللہ قادیانی کو الگ کرو۔ مرزائیوں کو اقلیت قرار دو۔ قائد ملت مردہ باد۔ مرزائی نواز حکومت مردہ باد کے فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے۔ ٹریفک ہر دو جانب رک چکی تھی۔ حد نگاہ تک جلوس ہی جلوس بن گیا تھا۔ پولیس نے بغیر کسی نوٹس کے آنسو گیس کے گولے پھینکنے شروع کر دیئے۔ اور بڑی ہی بے دردی سے لاٹھی چارج کر دیا۔ لا الہ الا اللہ کے نعرے پر بنائے گئے ملک میں

محمد رسول اللہ ﷺ کی ناموس کا تحفظ کرنیکا مطالبہ کرنیوالے مسلمانوں پر نہایت ہی شقاوت قلبی سے لاٹھی چارج کر کے بے دریغ لہولہان کیا جا رہا تھا جس سے بندر روڈ میدان جنگ کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ لوگوں نے جواب میں پتھراؤ شروع کر دیا جس سے لائٹ ہاؤس سینما اور ملحقہ عمارتوں کو کافی نقصان پہنچا۔ جن رضاکاروں نے ہار پہنے ہوئے تھے وہ گرفتار کر لئے گئے اور دیگر لوگ ادھر ادھر بھاگ گئے۔ میں اور محمد عالم منہاس یہاں سے فارغ ہو کر پروگرام کے مطابق رکشہ پر بیٹھ کر نکی مسجد پہنچ گئے۔ وہاں ہم سے پہلے مستری رشید لدھیانوی، میاں محمد عالم بٹالوی اور دیگر آٹھ دس ساتھیوں کے ہمراہ (جنکے نام اب یاد نہیں آ رہے آچکے تھے) معلوم ہوا کہ مفتی پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب سامنے حجرہ میں تشریف فرما ہیں۔ اس وقت نکی مسجد ابھی تعمیر ہی نہیں ہوئی تھی محض ایک نامکمل حجرہ اور وضو کے لئے ٹوٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ جب حجرہ میں داخل ہوا تو مفتی محمد شفیع صاحب دیگر ۸، ۱۰ علماء کے ساتھ رکھی تھیں بات چیت کر رہے تھے۔ ہمارے باقی ساتھی بھی اندر گئے بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کسی نے کہا آئیے بھائی بیٹھیں، ہم بیٹھ گئے تو کہا گیا لیجئے کچھ کھائیے۔ ہم تو صبح سے بھوکے تھے سب شروع ہو گئے۔ اور پلیٹیں صاف کر دیں۔ اتنے میں کھانا آ گیا وہ بھی ہم نے بے تکلفی سے کھایا۔ پیٹ کا دوزخ بھرا ہو تو پھر بہت سوجھتی ہے۔ منڈھی تاندلیا نوالہ کا ایک کارکن نام بھول رہا ہوں ہمارے ساتھ تھا۔ بات سے بات نکالنے کا ماہر تھا لہٰذا ہم نے اسے "وزیرِ گل" بات کا خطاب دے رکھا تھا۔ مفتی صاحب سے تحریک کے بارے میں بات کرنے کی ذمہ داری اسے سونپ دی اس نے بات کرنے کی کوشش کی اور مفتی صاحب کو متوجہ کیا۔ لیکن مفتی صاحب سنی ان سنی کر رہے تھے۔ اور ان کے حوالی موالی اسے بار بار منع کر رہے تھے کہ دیکھو مفتی صاحب کھانا تناول فرما رہے ہیں۔ کوئی بات نہ کریں۔ اور مفتی صاحب تو گویا گونگے کا گڑ کھائے بیٹھے تھے۔ "وزیرِ گل" باتے۔ نے ذرا سخت لہجہ میں بات کی تو نقی صاحب کے حوالیوں نے پھر ڈانٹ دیا۔ اس پر ہم تلملا اٹھے۔ چنانچہ میں نے اٹھ کر بڑے ادب سے اونچی آواز میں کہا حضرات! ہم سب دیوبندی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور تحریک تحفظ ختم نبوت کا کام کر رہے ہیں۔ مولانا آپ بھی مجلس عمل کے اجلاسوں میں شریک رہے ہیں۔ آپکی ایک کتاب بھی مسئلہ ختم نبوت پر شائع ہو چکی ہے۔ جس سے ہم بہت متاثر ہیں۔ پنجاب میں ہزاروں مسلمان جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ لاکھوں جیلوں میں پابند سلاسل ہیں۔ اس لئے ہم بجا طور پر آپ سے اس نازک وقت میں تحریک کی رہنمائی کی توقع رکھتے ہیں۔ جس پر مفتی صاحب ہمارے کہنے لگے اگر میں نے سچی بات کہی تو آپکو بہت تکلیف ہو گی۔ اسی لئے میں جواب نہیں دینا چاہتا۔ ہمارے بہت ہی اصرار پر مفتی صاحب نے لب وا کئے اور کہا میرے نزدیک مرزائیت نے اسلام کو اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا اس تحریک نے اسلام کو نقصان پہنچایا ہے۔ ان الفاظ کا ان کے منہ سے نکلنا تھا کہ میں غصہ سے آگ بگولا ہو گیا۔ اور ان پر جھپٹا دوسرے لوگوں نے مفتی صاحب کو گھیرے میں لیکر مجھ سے دور کر دیا۔ لیکن زبان تو میری چل ہی رہی تھی۔ اور پھر پنجابی میں؟ جس سے سب

(باقیہ ص ۵۳ پر دیکھیں)